© rasailojaraid.com

هیئت اجتماعیہ انسانیہ ـ فکر اقبال کی روشنی میں

غلام حیدر آسی

اقبال ایک مخلص انسان اور پکا مسلمان تھا ـ اس کی عارفانہ نگاہ اور حقیقت جو طبع، تاریخ ادیان عالم اور تاریخ بنی نوع انسان کے تحقیقی مطالعہ کے بعد اس حقیقت کو پاچکی تھی کہ بنی نوع انسان کے اتحاد اور سلامتی، فلاح اور ارتقاء کے لئے قابل عمل نظام اسلام اور صرف اسلام ہی ہے ـ وہ اپنے زمانے کا واحد مسلمان مفکر ہے جو مشرق و مغرب دونوں کے علمی سرچشموں سے سیراب ہوا اور اپنے تجربے کی بنیاد پر اس کو کہنا پڑا کہ مشرق میں ساقی ناپید ہے اور مغرب میں صہبا بے ذوق ہے ـ

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا(۱)

مشرقی ذہن کے زوال و نکبت کا سبب غلامی اور تقلید ہے تو مغربی ذہن کی بدحواسی کا سبب لادینی افکار اور حدود و قیود سے عاری وہ آزادی فکر ہے جو اسے انسانیت کے دائرے سے نکال کر حیوانیت کے عالم میں پہنچا دیتی ہے ـ

مغرب دولت روحانیت سے محروم ہے تو خودی کی موت کی بنا پر، اور مشرق مبتلائے جذام ہے تو خودی کی موت سے ـ غرض مشرق ہو یا مغرب کائنات انسانی توانا اور تندرست قلب و نظر سے محروم ہوگئی ہے ـ

---

(۱) بال جبریل ص ۳۸ ـ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطئی افکار سے مشرق میں غلام!(۲)

خودی کی موت سے مغرب کا اندروں بے نور
خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام!(۳)

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظام جمہوری
نہ مشرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری
جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری!(۴)

لیکن کیا ایسے میں ہاتھ پاؤں توڑ کر تخریب انسانیت کے عوامل کو کھل کھیلنے دیا جائے؟ اور مجسمہ یاس و قنوط بن کر گوشۂ نشینی اختیار کرلی جائے؟ ایک سچے مسلمان کے اقوال و افعال اور اعمال و احوال میں اس کا جواب ''ہرگز نہیں،، ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک مرد مومن کی زندگی سراپا تسلیم و جہاد ہوتی ہے، اس کا مقصد حیات امن و سلامتی کا قیام اور فلاح و ارتقاء کا حصول ہے، اس کا مقصد تخلیق قوانین خداوندی اور منشائے الٰہی کی محسوس اور عملی ترویج ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (۵) عبادت و عبودیت، انسانی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر احکام خداوندی اور رضائے الٰہی کو کائنات کے ذرہ ذرہ میں جاری و ساری کرنے کا نام ہے۔ جو تسلیم و جہاد کے حسین امتزاج اور تعمیل سے حاصل ہوتی ہے۔ اور فلاح اور سلامتی کا لائق رشک پہلو پیش کرتی ہے۔ اس ازلی اور ابدی حقیقت کی روشنی میں مفکر ملت اور شاعر مشرق نے یہ اصول اخذ

---

(۲) ضرب کلیم ص ۸۱۔
(۳) ضرب کلیم ص ۶۹۔
(۴) ایضاً ص ۱۶۴۔
(۵) قرآن مجید۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا کہ ''نوع انسانی ایک ہے اور اس کی زندگی کا مبداء اصلاً روحانی ہے۔ پھر چونکہ ذات الہیہ ہی فی الحقیقت زندگی کی روحانی اساس ہے لہذا اللہ کی اطاعت فطرت صحیحہ کی اطاعت ہے(۶)۔ اور عبادت و عبودیت کے حقیقی معنی و مقصود بھی یہی ہیں کہ اللہ کی اطاعت برضا و رغبت اور بخلوص و اخلاص کرنے اور احکام الہیہ کی تعمیل میں عارضی اور ظاہری مشقت برداشت کرنے سے حقیقی اطمینان اور دائمی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ جس کی جلوہ گری اتحاد انسانیت، امن و سلامتی اور تسخیر ماسوا اللہ کی صورت میں ہوتی ہے۔

اقبال نے ایک حق شناس محقق کی حیثیت سے یہ جانچ لیا تھا کہ دائمی سلامتی، حقیقی فلاح اور پائدار ارتقاء کا حصول صرف نظام اسلامی ہی میں ممکن ہے اس لئے اس مرد درویش نے لا یخافون لومۃ لائم کا مومنانہ کردار ادا کرتے ہوئے دنیائے انسانیت کو ٹھوس اور واضح دلائل کی بنیاد پر راہ حق کی طرف بلایا اور جتایا کہ ''اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن، سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے تو سوائے نظام اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں، بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطۂ نگاہ کو بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے''(۷)۔

اقبال تاریخ ادیان کے محققانہ مطالعہ کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ 'الدین، نہ قومی ہوسکتا ہے جیسے مصریوں، یونانیوں اور ہندوؤں کا۔ نہ نسلی

---

(۶) تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ مترجمہ نذیر نیازی لاہور ۱۹۵۸ - ص ۲۳۷ -

(۷) مقالات اقبال - سید عبدالواحد معینی لاہور - ۱۹۶۳ ص ۲۲۳ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جیسے یہودیوں کا، نہ انفرادی اور پرائیویٹ، جس طرح کہ مسیحیت کی تعلیم(۸) ہے بلکہ یہ خالصۃً انسانی ہے اور اس کا مقصد باوجود تمام فطری امتیازات کے عالم بشریت کو متحد اور منظم کرنا ہے۔ اور اس کی اساس صرف وہ معتقدات ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر عالم انسانی کی جذباتی زندگی اور اس کے افکار و کردار میں یکجہتی پیدا ہوسکتی ہے،،(۹) اب ایسی ہئیت اجتماعیہ جس کا مرکز دائمی اور ازلی معتقدات ہوں اور انہی کی بنا پر وہ زمان و مکاں اور احوال و ظروف کے ہر تغیر و ارتقاء کو اپنے مسلسل توسیع پذیر احاطہ میں سمو سکتی ہو۔ ان الدین عند اللہ الاسلام(۱۰) کہلا سکتی ہے اور یہ ایک تابندہ و پایندہ حقیقت ہے کہ الاسلام ہی وہ معاشرہ ہے جس کے ہاں حیات کی روحانی اساس ایک حی و قیوم (اللہ لا الہ الا ھوالحی القیوم)(۱۱) ذات ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ اختلاف اور تغیر میں جلوہ گر دکھائی دیتی رہتی ہے (کل یوم ھو فی شان۔) چونکہ اسلامی سوسائٹی حقیقت مطلقہ کے اس تصور اور عقیدہ پر مبنی ہے لہذا اس میں ثبات و تغیر دونوں کا حسین امتزاج موجود ہے۔ اس کے کچھ ارکان و قواعد بنیادی معتقدات، ابدی محکمات، شرائع، فرائض اور حدود کی صورت میں ہیں جو اپنے دوامی اور محکم ہونے کی بنا پر حیات اجتماعیہ میں نظم و ضبط کو قائم رکھتے ہیں اور کچھ مصالح اور مفاسد کے اصول اور قواعد ہیں جو نفس کی اصلاح اور تہذیب، معاشرتی اور تمدنی امور کی اصلاح، شرائع الہیہ کی نشر و اشاعت اور اس کے استحکام اور ترویج میں بھی مدد دیتے ہیں۔ احکام شرعیہ میں حالات اور زمانہ کی رعایت مہیا کرکے نت نئے تقاضوں میں رضائے الہی کی راہیں پیدا کرتے ہیں۔ تغیر و تبدل کی نفی

---

(۸) ایضاً

(۹) ایضاً ص ۲۲۵

(۱۰) تشکیل جدید الہیات اسلامیہ ص ۲۲۶۔

(۱۱) ایضاً۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے یا اس سے آنکھ چرانے کی بجائے اس میں اصلاحی حرکت کی بنیاد رکھتے ہیں۔

اس حقیقت کو کلی طور پر سمجھتے ہوئے اقبال نے ایک طرف تو مغرب کے نظام کو شاخ نازک پر بنائے ہوئے آشیانے سے تعبیر کرکے اس کی ناپائیداری کا اعلان کر دیا۔ دوسری طرف اس دور کے مسلمانوں کے نظام فکر و عمل میں جمود اور تقلید کا استیلاء دیکھ کر مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ (نہ کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ) کو نہ صرف ناگزیر قرار دیا بلکہ اس نشاۃ ثانیہ کے لئے جس حد تک وہ جدوجہد کر سکتے تھے پورے اخلاص اور دیانت‌داری سے اپنا کردار ادا کیا۔ اقبال نے جابجا اپنے کلام میں اس حقیقت کو اجاگر کیا کہ نظام مغرب شرائع اور حدود و قیود سے عاری آزادیٔ فکر کی وجہ سے اپنی خودکشی کا مرتکب ہو رہا ہے اور عالم اسلام کے مسلمان (نظام مشرق کے علمبردار) جمود اور تقلید کا شکار ہوکر اپنی خودی اور قوت فکر و عمل کو ناکارہ کر چکے ہیں۔ غرض مغربی نظام دوامی اصول اور ابدی حقائق سے منہ موڑے ہوئے ہے اور مشرقی نظام زندگی اور زمانے کے تغیر و تبدل میں اصول حرکت کا سرے سے منکر ہے۔

اقبال اپنی مومنانہ فراست سے اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں کہ بنی نوع انسان کی دوامی ہئیت اجتماعیہ الاسلام یعنی نظام اسلام نے پیش کی ہے اور یہ تقریباً ایک صدی تک محسوس اور عامل رہی ہے جس نے تقدیر اسم کا راز باحسن عیاں کرکے دکھا دیا۔ لیکن بعد ازاں پھر تہذیب کے درندوں کا نشانہ بنی اور نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ بنی نوع انسان کو پھر معرکۂ روح و بدن درپیش ہے:

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ درندگان تہذیب کون ہیں ؟ وہ جنہوں نے علم، حکمت، سیاست اور تجارت سب کو ملوکانہ مقاصد کا آلۂ کار بنایا ۔ اقبال نے ان اعدائے انسانیت اور درندگان تہذیب کو مختلف انداز میں مختلف مقامات پر بے حجاب کیا ہے ۔ جن کا مقصد وحید ہمیشہ ایک یعنی غلامی کی ترویج بالفاظ دیگر کفر کی ترویج رہا ہے ۔ ان کا کام انسانیت کے گلے میں طوق غلامی ڈالنا اور انسانوں کے دل و دماغ میں حزن و خوف، یاس و قنوطیت، اور تقلید و جمود جیسے رذائل کو راسخ کرنا ہوتا ہے ۔ اس طرح ان کا آئینہ ضمیر زنگار کرکے ان کی فکر و نظر میں انتشار پیدا کردیتے ہیں ۔ اور اس طرح وہ بے یقینی اور تذبذب کا شکار ہوجاتے ہیں ۔ آداب غلامی اور روش تقلید کے راسخ ہوجانے سے ان کی تمام فکری صلاحیتیں اور تخلیقی قوتیں کار آذری پر منتج ہوتی ہیں اور یہ بندگان آمریت، دین و دانش اور روح و ذہن کو لٹا کر جان و بدن کو بچاتے ہیں ۔ ذات حقیقی کی الوہیت و ربوبیت کو محض زبانی کلامی ظاہر کرکے در حقیقت ہر فرمانروا آمر کے سامنے سجدہ ریز ہوتے رہتے ہیں ۔ کبھی تو یہ صوفی و ملا اور واعظ و پیر کے بند تقلید میں مقید اور مذہبیت کے لباس میں ملبوس ہوتے ہیں اور کبھی والی اور سود حوار کی حاسیہ برداری میں مصروف ترقی پسندی اور ثقافت کی آڑ میں آزاد طبع انسانیت کی تابدار پیشانی پر بدنما داغ کی حیثیت میں نمودار ہوتے رہتے ہیں ۔ بنیادی طور پر ان دونوں گروہوں میں کوئی فرق نہیں ہے ۔ اگر کوئی فرق ہے تو صرف یہ کہ اول الذکر روحانیت کے پردہ میں مخفی شیطنت کے کل پرزے ہوتے ہیں اور ثانی الذکر ارتقا اور تہذیب کے پردہ میں مخفی حیوانیت کے پجاری ہوتے ہیں ۔ غرض دونوں بندگان ہوا و ہوس ہیں ۔ جن کے ہاں حق اور صداقت، خیر اور فلاح کا معیار اپنے آقاؤں (غیر اللہ) کی رضا ہے علامہ اقبال کی نظر میں یہ ابلیسی نمائندے عموماً چار قسم کے طبقوں اور انہی کے بھیس میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سادہ لوح اور صاف دل عام مسلمان کا شکار کرتے رہتے ہیں ۔ اور اس کے قلب و دماغ کو انتشار سے دوچار کرتے رہتے ہیں ۔

آنکہ گوید لا الہ بیچارہ ایست
فکرش از بے مرکزی آوارہ ایست
چار مرگ اندر پے ایں دیر میر
سود خوار و والی و ملا و پیر(۱۲)

چنانچہ اقبال کو اپنے جیسے آزاد طبع صاف دل مسلمانوں کی آگاہی کے لئے جب آواز عیب میں بھی یہی سنائی دیتا ہے :

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری(۱۳)

تو وہ مرد خود آگاہ و خدا شناس ایک مرد بزرگ کی طرح جس کی تشریح ان کے اپنے اشعار میں یوں ہے :

پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں
ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق
اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق !

اشارۂ فطرت اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الحکمۃ ضالۃ المومن) کی روشنی میں اس امر کا واضح اعلان کرتے ہیں کہ :

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

---

(۱۲) جاویدنامہ ص ۲۲۳ ۔

(۱۳) ارمغان حجاز ص ۲۴۸ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح اقبال نے مشرق اور مغرب پر دو نظاموں کے اندھے مقلدین اور متعصب متبعین کو آگاہ کیا کہ نظام اسلام ھی وہ ھئیت اجتماعیہ انسانیہ ھے جو جملہ انسانیت کی گردن سے ھر نوع غلامی کے طوق کو اتار پھینکتی ھے یہ دعوی صرف اس نظام فطرت پر ایمان رکھنے والوں کا نہیں بلکہ انسانیت کے ازلی اور ابدی مخالف اور عدو مبین (ابلیس) کو بھی یہ حقیقت تسلیم ھے :

الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن مرد آزما مرد آفریں

موت کا پیغام ھر نوع غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیر رہ نشیں

چشم عالم سے رھے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ھے کہ خود مومن ھے محروم یقیں

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اس کے سب مہرے ھوں مات

ھر نفس ڈرتا ھوں اس امت کی بیداری سے میں
ھے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات(۱۴)

یہ اس لئے کہ اس آئین فطرت اور نظام اسلام پر مبنی ھئیت اجتماعیہ انسانیہ اپنی بنیاد پختہ عقائد پر تعمیر کرتی ھے اور نت نئے بدلتے ھوئے تقاضوں کو احاطہ میں لینے کے لئے ندرت فکر و عمل اور اصول حرکت کو اپنا ایک اھم ترین رکن بتاتی ھے اس طرح اس ھئیت اجتماعیہ انسانیہ کا فرد کامل نہ کبھی اپنی خودی کو تقلید سے ناکارہ ھونے دیتا ھے اور نہ ھی اپنی زندگی میں جمود کو قریب پھٹکنے دیتا ھے بلکہ ھر لمحہ اور ھر جگہ وہ اس عالم ایجاد میں صاحب ایجاد و خلاق بن کر رھتا ھے۔

---

(۱۴) ارمغان حجاز ص ۲۲۵ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ اقبال غلامان مشرق و مغرب ہر دو کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :

حکمت مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے
ایک نکتہ کہ غلاموں کے لئے ہے اکسیر !
دین ہو فلسفہ ہو فقر ہو سلطانی ہو
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر !
حرف اس قوم کا بے سوز، عمل زار و زبوں
ہوگیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر !(۱۵)

اقبال اس ہئیت اجتماعیہ انسانیہ کو کبھی ''الاسلام'' کے نام سے، جبکہ ان کا اشارہ ان الدین عند اللہ الاسلام، کی طرف ہوتا ہے پکارتا ہے کبھی اس کو ملیہ اسلامیہ ، اور کبھی 'سوسائٹی' اسلام ، اور کبھی ' حقیقت، کے نام سے موسوم کرتا ہے مختلف مقامات پر مختلف الفاظ سے تعبیر کے باوجود ان کا مقصود نظام اسلام ہی ہے -(۱٦)

اقبال نے اس حقیقی، ازلی اور ابدی نظام کے لئے مختصر طور پر مگر نہایت واضح، مدلل اور پر زور انداز میں اس کے وہ اساسی ارکان بھی بتا دئے جن کی بنا پر یہ تعمیر ہوتا ہے اور ثابت رہتا ہے اور وہ اصول حرکت بھی بتادئے جن کی وجہ سے یہ قوائے نظام عالم کو تسخیر کرتے ہوئے لامحدود وسعتوں اور پہنائیوں کو اپنے دامن میں سموتا چلا جاتا ہے :

الم ترکیف ضرب اللہ مثلاً کلمة ''طیبة،، کشجرة طیبة اصلها ثابت و فرعها فی السماء۔ (سورۂ ابراھیم ۔ آیت نمبر ۲۴)

اقبال نے ان تمام دوامی اور ابدی پختہ عقاید کی توضیح و تشریح اپنی زندہ

---

(۱۵) ضرب کلیم ص ۱۲۵ ۔

(۱٦) ملاحظہ ہوں ۱ ۔ اقبال نامہ ۲ ۔ خطبات اقبال ۳ ۔ تشکیل جدید ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاوید مثنوی اسرار و رموز میں پیش کردی ہے۔ اس لازوال اور کامل و مکمل سوسائٹی یا ریاست کا بنیادی اور اولین رکن توحید ہے۔ توحید کا اصول ہماری عقلی اور جذباتی زندگی میں ایک زندہ عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اصول توحید اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم صرف اللہ تعالی کی اطاعت کریں۔ چونکہ اللہ تعالی کی ذات ہی زندگی کی روحانی اور حقیقی اساس ہے لہذا اللہ تعالی کی اطاعت فطرت صحیحہ کی اطاعت ہے۔ مزید بر آں یہ حقیقت مطلقہ اور روحانی اساس ایک الحی و القیوم وجود ہے جسے ہم اختلاف اور تغیر میں ہی جلوہ‌گر دیکھتے ہیں۔

تو حقیقت مطلقہ کے اس تصور و اعتقاد پر مبنی نظام اپنی ساخت میں ثبات و تغیر دونوں خصوصیات کا لحاظ رکھتا ہے۔ چنانچہ کلام اقبال میں تضادات اور تناقضات پانے والوں کو کلام اقبال کا مطالعہ گہری نظر سے کرنا چاہئے۔ اس طرح جواہر حقیقت اور افکار و دانش کی صداقت ان کی سمجھ میں آجائیگی:

زندگانی نیست تکرار نفس
اصل او از حی و قیوم است و بس
وحدت افکار و کردار آفریں
تاشوی اندر جہاں صاحب نگیں(۱۷)

دمادم نقشہائے تازہ ریزد
بیک صورت قرار زندگی نیست
اگر امروز تو تصویر دوش است
بخاک تو شرار زندگی نیست(۱۸)

(۱۷) جاوید نامہ ص ۲۲۹۔

(۱۸) پیام مشرق ص ۲۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر
مگر ہر کہیں بے چگوں بے نظیر
ٹھہرتا نہیں کاروان وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود(۱۹)

اقبال نے جو تصور توحید اجاگر کیا ہے وہ درحقیقت اس عقیدۂ توحید کی توضیح و تفسیر ہے جو زندہ اور حکمت سے بھر پور کلام الٰہی کی آیات بینات میں تابندہ و درخشاں ہے اور کلمہ طیبہ کے ابتدائی حصہ لا الہ الا اللہ میں مضمر ہے اقبال کے صرف ایک ہی شعر میں توحید کی تشریح سن لیں جو انہوں نے ختم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام اور قرآنی الفاظ کی روشنی میں ادا کی ہے :

از پیام مصطفےٰ آگاہ شو
فارغ از ارباب دون اللہ شو

توحید جو اس حقیقی اور کامل نظام کا رکن رکین ہے اسے لاتعداد عناصر ترکیبی مہیا کرتا ہے۔ مختصر انداز میں کلام اقبال سے چند اشعار ثمرات توحید کی وضاحت کے لئے ملاحظہ ہوں :

دیں ازو حکمت ازو آئیں ازو
زور ازو قوت ازو تمکیں ازو

——

بیم و شک میرد عمل گیرد حیات
چشم می بیند ضمیر کائنات

(۱۹) بال جبریل ص ۱۲۱ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملت بیضا تن و جاں لااله
ساز مارا پرده گرداں لااله

قوم را اندیشه ها باید یکے
در ضمیرش مدعا باید یکے
جذبه باید در سرشت او یکے
هم عیار خوب و زشت او یکے
ما ز نعمتهائے او اخواں شدیم
یک زباں و یک دل ویک جاں شدیم

غرض عقیدۂ توحید پر ایمان و یقین انسانی برادری کو دوئی یا کثرت تفریق سے نکال کر اکائی میں پروتا ہے۔ جمله انسانیت کو ایک لڑی میں پرو کر اسے ایک مدعا و مقصود یعنی فلاح اور سلامتی کے حصول کے لئے مستعد کرتا ہے۔ بنی نوع انسان کو ہر نوع غلامی سے آزاد کرکے فطرت صحیحه کی اطاعت و تسلیم کا پابند بناتا ہے۔ یاس، حزن، خوف اور تمام دیگر خبائث سے نجات دلاکر اسے پر عزم، پر امید اور خود اعتماد بناتا ہے۔ اس میں وہ لازوال قوت فکر و عمل پیدا کرتا ہے جو ہر لحظه نئے وجود کی خلاقی کرتی اور ضمیر کائنات کی محرم راز ہوکر تسخیر عوالم کرتی رہتی ہے۔ اس عقیده کی قوت ایقان و ایمان انسان کو نائب حق بنا کر عناصر کی حکمرانی اور انفس و آفاق یعنی ماسوا الله کی تسخیر کے قابل بناتی ہے۔

اس کامل و اکمل نظام کا دوسرا اہم رکن عقیدۂ رسالت ہے یه عقیدۂ رسالت ہی ہے جو اس کامل معاشره کو نه صرف وجود بخشتا ہے بلکه اسی کے مقاصد اور آئین بھی اسے مہیا کرتا ہے اقبال عقیدۂ رسالت کے جمله پہلوؤں کو روشن کرتے ہوئے اس کے اہم ترین پہلو ختم نبوت کو لازمی اور لابدی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرار دیتے ہیں - کیونکہ اس کے انکار یا تاویل سے نہ صرف عقیدۂ رسالت نامکمل رہ جاتا ہے بلکہ اس سے پردۂ ناموس دین مصطفےٰ کے چاک ہو جانے کے ساتھ ساتھ اس کامل نظام کی نفی بھی لازم آجاتی ہے اقبال کے چند پر تاثیر اشعار میں عقیدۂ رسالت کے ثمرات مختصر طور پر ملاحظہ ہوں :

از رسالت در جہاں تکوین ما
از رسالت دین ما آئین ما
از رسالت ہم نوا گشتیم ما
ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما
کثرت ہم مدعا وحدت شود
پختہ چوں وحدت شود ملت شود
زندہ ہر کثرت ز بند وحدت است
وحدت مسلم ز دین فطرت است
دین فطرت از نبی آموختیم
در رہ حق مشعلے افروختیم
پس خدا برما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد
لا نبی بعدی، ز احسان خداست
پردۂ ناموس دین مصطفےٰ است
دل ز غیر اللہ مسلماں بر کند
نعرۂ لا قوم بعدی می زند

عقیدۂ رسالت اور رسالت محمدیہ کا مقصود بنی نوع انسان کی تشکیل و تاسیس حریت، مساوات اور اخوت کے زریں اصول پر تعمیر کرنا ہے لہذا حضور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسالتماب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے نظام اسلام کی محسوس و عامل مثال بنا اور چلا کر دکھائی۔ اس لئے انفرادی اور اجتماعی یعنی زندگی کے ہر دو پہلوؤں میں حق تعالی نے ذات رسالتماب کو ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ قرار دیکر آپ کی اطاعت کو ذات حقیقی کی اطاعت، آپ کی محبت کو ذات الہیہ کی محبت اور آپ کی رضا کو حقیقی خالق کی رضا قرار دیا۔

ان دو بنیادی ارکان پر قائم ہونے والی ہئیت اجتماعیہ انسانیہ یا ملت محمدیہ یا نظام اسلام زمان و مکاں کی حدود و قیود سے بالاتر ہوگا کیونکہ دونوں عقاید یعنی توحید و رسالت کی پہنائیاں ازلی اور ابدی ہونے کے ساتھ ساتھ لازمانی اور لامکانی بھی ہیں۔

اس ملیہ اسلامیہ کا تیسرا رکن "آئین" یعنی ذات حقیقی کی وہ کتاب رشد و ہدایت اور حکمت و موعظت ہے جس کی ہر آیت میں صد جہاں پوشیدہ ہیں اور جس کے ہر حرف میں نور ہدایت جلوہ گر ہے:

صد جہاں تازہ در آیات اوست
عصرہا پیچیدہ در آنات اوست؟

اس آئین پر ہی ہر کامل و مکمل نظام و معاشرہ کی ہستی اور ارتقاء موقوف ہے اقبال اس نظام کے فرد کامل کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:

تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست
زیر گردوں سر تمکین تو چیست

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است وقدیم

اور اس طرح کے بے نظیر و بے مثال شعر کہنے والے کو، جس کے شعور کے ہر گوشہ میں حقانیت اسلام پختہ و پیوستہ ہے، دور حاضر کا شاعر اسلام کہنا بالکل بجا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گر تو می خواهی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز به قرآں زیستن

کیونکه :

از یک آئینی مسلماں زندہ است
پیکر ملت ز قرآن زندہ است

اس ملت اسلامیه (هئیت اجتماعیه انسانیه یا نظام اسلام کا معاشرہ) کو اس آئین کی اتباع اور اس کی تشریح و تفسیر یعنی شریعت محمدیه و احادیث کی اتباع سے پختگی سیرت حاصل هوتی ہے۔ اس آئین کی تشریح و تفسیر کو چوتھے رکن کی حیثیت حاصل ہے۔ چونکه ذات حقیقی کا مخاطب اول هی متکلم کے کلام (کلام الهیه) کو سمجھ سکتا ہے اس لئے وهی اس کے مدعا کی تشریح و توضیح بتا سکتا ہے اور احکام الهیه میں مخفی روح کی وضاحت فرما سکتا ہے اس لئے وهی ذات صرف اسوہ حسنه اور دین فطرت کی تعلیم کا معلم کامل هو سکتی ہے۔ لہذا اتباع محمدی کے بغیر الله اور کتاب الله کی رسائی اور رهنمائی نا ممکن ہے۔

اس نظام ملیه اسلامیه کی محسوس اور عملی شکل کے لئے ایک مرکز بھی ناگزیر ہے اور یه مرکز صرف اور صرف بیت الله هی هوسکتا ہے کیونکه عشق و محبت اور وفا اور اطاعت کے تمام سوتے وهیں سے پھوٹتے اور وهیں پر جا ملتے هیں۔ اقبال کے هاں عشق و محبت، تقلید و اتباع روایات مخصوصه ملیه کا مفہوم یہی ہے که آئین الهیه اور شریعت محمدی پر اس اخلاص سے عمل کیا جائے که انسانیت کا حقیقی نصب‌العین، فلاح اور سلامتی جو اعلائے کلمة الله، حفظ و نشر توحید اور تسخیر ماسوا الله پر مبنی ہے کائنات کے ظاهری اور مخفی جمله مظاهر میں جاری اور ساری هوجائے۔

اگرچه اقبال نے اپنے فلسفۂ خودی میں عقائد الاسلام میں سے عقیدۂ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخرت جزاء و سزا، فنا و بقا اور حشر و نشر کی فلسفیانہ تعبیر تسلسل حیات اور خودی و بیخودی کے، آخری مرحلہ نیابت الٰہی کے حصول میں کی ہے تا ہم اس نے اس کی حقیقت و اہمیت اور اس کے نظام اسلام کے لئے ایک دائمی اصول کی حیثیت سے انکار نہیں کیا۔

ان پختہ عقاید کی محسوس اور عملی ترویج کے وہ بنیادی اور دوامی اصول صادق و مصدوق کتاب اللہ نے شرائع، فرائض اور حدود کی صورت میں واضح اور عام فہم انداز میں بیان کردئیے ہیں جو اس ہئیت اجتماعیہ انسانیہ یعنی نظام اسلام پر مبنی معاشرہ کی زندگی میں حفظ و ثبات کے عنصر کو راسخ اور مضبوط بناتے ہیں۔ اسی بنا پر قرآن مجید کو نظام اسلام پر مبنی معاشرہ کے قانون کا بنیادی اور اولین ماخذ قرار دیا گیا ہے۔

لیکن یہ کتاب رشد و ھدایت اور ظلمات حیات میں سراج منیر جسے ہر لحاظ سے لاریب فیہ کہا گیا ہے کوئی قانونی ضابطہ نہیں بلکہ بالفاظ اقبال اس کا حقیقی منشا یہ ہے کہ ذھن انسانی میں اس تعلق کا جو اسے کائنات اور خالق کائنات سے ہے اعلیٰ اور بہتر شعور پیدا کرے۔ (۲۰)

اس لئے زندگی کے بارے میں قرآن مجید کا مطمح نظر جمود کی بجائے حرکت ہے(۲۱)۔ اور قرآن پاک کا یہ ارشاد کہ زندگی ایک مسلسل تخلیقی عمل ہے (کل یوم ھو فی شان) بجائے خود اس امر کا مقتضی ہے کہ مسلمانوں کی ہر نسل اسلاف کی رھنمائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مسائل خود آپ حل کرے نہ یہ کہ اسلاف کے ورثہ کو اپنے لئے ایک روک تصور نہ کرلے:

نظام اسلام کا یہی اصول حرکت ہے جو حالات و زمانہ کی رعایت سے احکام الٰہیہ کی تشریح و تعبیر کرتا ہے اس کے بنیادی اور دوامی اصول کی

---

(۲۰) تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۲۵۵۔

(۲۱) ایضاً ص ۲۵۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راسخ بنیاد پر ہر حال اور ہر دور کو اپنے اندر سمیٹتا ہوا ابد تک اپنی تروتازہ اور لچک دار شاخوں کو پھیلاتا چلا جاتا ہے۔

اسی بنا پر نظام اسلام کو کلمة طیبة اصلها ثابت و فرعها فی السماء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

علامہ اقبال نے دنیائے مغرب کے مشاہدے، تاریخ و حقائق ادیان عالم تاریخ انسانیت اور قوموں کے عروج و زوال کے حقائق کے گہرے مطالعہ کے بعد جونہی اس حقیقت کو سمجھ لیا کہ اتحاد انسانی پر مبنی معاشرہ جو بحیثیت امت ایک شعور ذات سے بہرہ ور ہو صرف نظام اسلام کے عقاید دوامی اصولوں اور اصول حرکت کے حقیقی احیاء و ترویج پر ہی وجود پذیر اور استوار ہو سکتا ہے اس لئے وہ نہایت عزم صمیم اور استقلال کے ساتھ اس کی تبلیغ میں سرگرم عمل ہوگئے۔

اقبال کو آخری دم تک جس آرزو اور مدعا نے مضطرب اور متحرک رکھا وہ یہ تھا کہ اسلامی فقہ اور قانون کے اصولوں اور مبادی کو اس انداز سے دوبارہ منضبط کیا جائے کہ احکام قرآن کی ابدیت ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر انسانیت اس پر عمل کرنے سے سیادت سے بھی بہرہ مند ہو۔ اور یہ اصول اسلام کی حقیقت و حقانیت، اور ازلیت و ابدیت کے قطعی دلائل مہیا کرتے ہوں۔ اقبال، چونکہ عالم انسانیت کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص معرکۂ روح و بدن میں مبتلا دیکھ رہے تھے اور ہمارے خیال میں یہ معرکۂ روح و بدن ابھی تک انسانیت کو پیش ہے، کیونکہ کسی بھی مجدد اسلام یا خیر اندیش انسانیت نے قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانۂ حال کے جورس پروڈنس (Jurisprudence) فقہ اور قانون اسلامی پر تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو متکلمانہ اور عقلی دلائل سے ثابت نہیں کیا اور نہ ہی جدید علوم فلسفہ و معاشرت کے تنقیدی اصولوں سے عقلی انداز میں حقائق اسلام کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابدیت کو مسلم کرایا ہے جس طرح کہ ہمارے اسلاف نے فلسفہ اور علوم یونانی کے علمبرداروں کا انہی کے ہتھیاروں میں مسکت جواب دے کر اسلام کی صداقت کو منوایا تھا۔

تفکر اسلامی کے احیاء و تجدید کے اس احساس و اضطراب نے اقبال کو ہر تعلیم یافتہ معاصر مسلمان سے خط و کتابت کے ذریعہ رہبری و رہنمائی، اظہار تمنا اور تلاش حقیقت کے لئے رابطہ پر آمادہ کیا۔ چنانچہ مکاتیب اقبال کے مطالعہ سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اقبال مسلمانوں میں بالعموم اور علماء میں بالخصوص اجتہادی صلاحیتیں بروئے کار لانے کا کس طرح اصرار کرتے رہے (۲۲)۔ لیکن اس امر کا دکھ ہوتا ہے کہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم جیسے فاضل عالم نے جمود و تقلید کے علمبرداروں کے خوف اور اصول مصلحت کیشی کے پیش نظر اقبال کو بھی کچھ اس طرح کا مشورہ دیا کہ اقبال کو جواباً نہایت پر درد اور حسرت افزا الفاظ میں یہ لکھنا پڑا ''میں خود مسلمانوں کے انتشار سے بیحد درد مند ہوں اور گذشتہ چار پانچ سال کے تجربے نے مجھے سخت افسردہ کردیا ہے آپ کا طرز عمل اختیار کئے بغیر چارہ نہیں . . . . . مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے'' (۲۳)

بایں ہمہ اقبال اپنے دم واپسیں تک اپنی اجتہادی صلاحیتوں کو قرآن اور علوم اسلامیہ کی روشنی میں بروئے کار لاتے رہے اور مختلف انداز میں اسلام کے نظریہ اجتہاد یا بالفاظ دیگر اصول حرکت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے رہے۔ تاکہ بنی نوع انسان پر اسلام کے قواعد کلیہ اور اصول حرکت کے حسین امتزاج کی حقانیت اور ابدیت اور اس انمٹ کامل امتزاج پر مبنی ہئیت اجتماعیہ انسانیہ کی حقیقت و صداقت واضح ہو جائے۔

---

(۲۲) ملاحظہ ہو اقبال نامہ حصہ اول و دوم۔

(۲۳) اقبال نامہ حصہ اول ص ۱۶۹ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبال نے اس حسین امتزاج پر مبنی ایک مثالی معاشرہ کی قانون سازی کے لئے قرآن مجید کو نہ صرف اس کا آئین بلکہ اولین اور اہم ترین ماخذ قرار دیا اور اس امر کی نشان دھی کی کہ قرآن مجید کی ابدیت اور دوامیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ اسے اس طرح اور اس انداز سے پڑھا اور سمجھا جائے کہ انسان اس کے نزول کو اپنے ضمیر پر محسوس کرے :

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

قرآن مجید کی تلاوت اس راسخ عقیدہ اور مخلص مومن کی طرح کی جائے جو اپنی ہر مشکل کا حل سوز یقین اور عقل سلیم کے ساتھ آیات الہی میں تلاش کرتا اور پاتا ہے کیونکہ اس کے بغیر تلاوت کا حق ادا نہیں ہوسکتا :

گر تو می خواهی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

——

از تلاوت برتو حق دارد کتاب
تو ازو کامے کہ می خواهی بیاب
آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم

چونکہ ضمیر مسلم نور قرآن کی روشنی میں اپنے منازل ارتقاء اور ضروریات حیات حاصل کرتا ہے اس لئے قرآن مجید اسے ہر آن جہاں نو سے آشنا کرتا ہے :

چوں مسلماناں اگر داری جگر
در ضمیر خویش و در قرآں نگر
صد جہان تازہ در آیات اوست
عصر ھا پیچیدہ در آنات اوست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یک جہانش عصر حاضر را بس است
گیر اگر در سینۂ دل معنی رس است(۲۴)

بندۂ مومن ز آیات خدا ست
ہر جہاں اندر بر او چوں قبا ست
چوں کہن گردد جہانے در برش
می دھد قرآن جہانے دیگرش

چنانچہ اقبال کی نظر میں ملت اسلامیہ کے زوال اور پستی کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کا قرآنی تعلیم سے بے بہرہ ھونا اور قرآن مجید کی بجائے اباطیل و اوہام و خرافات اور صوفی اور ملا کے اقوال کو حرزجاں بنا لینا ہے۔

خوار از مہجوری قرآں شدی
شکوہ سنج گردش دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتاب زندۂ
تا کجا در خاک می گیری وطن
رخت بردار و سرگردوں فگن !(۲۵)

بہ بند صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمت قرآن نگیری
بآ یاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسین او آساں بمیری(۲۶)

---

(۲۴) جاوید نامہ ص ۷۲۔
(۲۵) رموز بیخودی۔
(۲۶) ارمغان حجاز ص ۱۰۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقبال کو اس امر پر نہایت حیرت، اضطراب اور استعجاب ہے کہ قرآن مجید کلام الہی کتاب زندہ کا حامل بے مدعا و بے مقصد اور بے ذوق طلب کیسے ہوسکتا ہے 'خطاب به جاوید، میں نئی نسل کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں :

صاحب قرآن و بے ذوق طلب
العجب ثم العجب ثم العجب!

اقبال کی نظر میں قرآن مجید ایک دائمی اور عالمگیر دستوری حیثیت کا حامل ہے اس لئے اس میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں ۔

۱ ۔ ایسی چیزیں جن کا تعلق کچھ خاص حالات اور زمانہ سے ہے ۔

۲ ۔ ایسی چیزیں جو ابد تک کے حالات و ادوار کو اپنے دائرہ کار میں سمو لیتی ہیں ۔ اس طرح اس ابدی دستور کے نفاذ کا نمونہ پہلی قسم کے احکامات سہیا کرتے ہیں اور اس کی دوامیت اور ارتقاء پذیر حیثیت کو دوسری قسم کے احکامات یقینی بناتے ہیں ۔ چونکہ قرآن مجید ایک ابدی اور دائمی نظام حیات کے اصول و مبادی سہیا کرتا ہے اس لئے بقول محمد تقی امینی : اگر زندہ رھنا ہے تو احکام کے موقع و محل کی تعیین کرکے اسلام کی روح اور تعلیمات کو جدید تنظیمات میں بھرنا ہوگا،، (۲۶ الف)

قانون سازی کا دوسرا اہم اور لابدی ماخذ حدیث و سنت ہے حدیث و سنت قرآن مجید کے احکام کی تعبیر و تشریح اور الہی قوانین کی روح کو سمجھنے میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے ۔ اقبال احادیث کے فہم و ادراک کے لئے انہیں دو بڑے حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ۔ ۱ ۔ فقہی احادیث ۲ ۔ غیر فقہی احادیث ۔ اقبال اس امر پر زور دیتے ہیں کہ فقہی احادیث کا مطالعہ اس انداز سے کیا جائے کہ احکام کی روح حاصل ہو اور امام ابو حنیفہ رح نے استحسان یا

(۲۶ الف) احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت ۔لاہور ص ۲۶۳ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہی ترجیح کے جس اصول کی بنیاد رکھی تھی اسے از سر نو زندہ کیا جائے ! اس امر کی تلقین کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اگر احادیث کا مطالعہ زیادہ گہری نظر سے کیا جائے اور ہم ان کا استعمال یہ سمجھتے ہوئے کریں کہ وہ کیا روح تھی جس کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام قرآن کی تعبیر فرمائی تو اس سے ان قوالین کی حیاتی قدر و قیمت کے فہم میں اور بھی آسانی ہوگی جو قرآن پاک نے قانون کے متعلق قائم کئے ہیں ۔ پھر یہ ان اصولوں کی حیاتی قدر و قیمت کا پورا پورا علم ہے جس کی بدولت ہم اپنی فقہ و قانون سازی کے بنیادی ماخذ کی از سر نو تعبیر اور ترجمانی کر سکتے ہیں،،(۲۷)

مسلم معاشرہ کی قانون سازی کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ اقبال اسلام کے قانونی تصورات میں اس ماخذ کو سب سے زیادہ اہم بتاتے ہیں ۔ اس بارے میں اقبال نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ اجماع صحابہ امر واقعی یا بالفاظ دیگر امر توقیفی میں تو ہمارے لئے حجت ہے یا جن معاملات میں قیاس سے کام نہ لیا جا سکتا ہو۔ بصورت دیگر ہمارے لئے حجت نہیں ۔(۲۸)

علامہ اقبال نے تاریخ مسلمانان عالم کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اجماع کو ایک مستقل تشریعی ادارے کی شکل ملوکیت نے نہیں لینے دی ۔ کیونکہ ایک مستقل قانون ساز با اختیار ادارے کے قیام سے مطلق العنان ملوکیت کو اپنا خاتمہ نظر آتا تھا ۔ اس لئے ملوکیت نے فرداً فرداً اجتہاد کی تشجیع کی تا کہ وہ اپنے مفادات پر ضرب نہ لگنے دے(۲۹)

اس مثالی معاشرہ کی قانون سازی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے ۔ قیاس سے مراد قانون سازی میں مماثلتوں کی بنا پر استدلال سے کام لینا ۔ یہی عمل قیاس

---

(۲۷) تشکیل جدید ص ۲۶۷ ۔

(۲۸) تشکیل جدید ص ۲۷۰ ۔

(۲۹) ایضاً ۲۹۷ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اوائل میں مجتہدین کی ذاتی رائے کہلاتا تھا اب مسلم معاشرہ کی قانون سازی کے لئے اصول حرکت اور زندگی کے روح و رواں کی حیثیت کا حامل ہے۔

اقبال نے ان دو ماخذوں (قیاس اور اجماع) کو ہیئت اجتماعیہ انسانیہ یا مثالی مسلم معاشرہ کا اصول حرکت قرار دیا ہے جسے بالفاظ دیگر اجتہاد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

غرض اقبال کے نزدیک ایک اتحاد انسانی پر مبنی کامل و اکمل معاشرہ کے بنیادی دوامی اصول و عقاید توحید اور عقیدۂ ختم نبوت، اور بنیادی قانونی ماخذ قرآن و سنت ہیں جو اس معاشرہ کو ابدی اور پائیدار بنیادیں مہیا کرتے ہیں۔ اور اجتہاد وہ قانونی اصول حرکت ہے جو اس معاشرہ کے نت نئے تقاضوں کو ہر زمانہ کے حالات و ظروف کی مطابقت سے قانون سازی میں توسیع اور ارتقاء مہیا کرتا ہے۔

اجتہاد اور قوت تخلیق کا چولی دامن کا ساتھ ہے لیکن غلامی اور تقلید اس کے ازلی اور ابدی دشمن ہیں۔ جو کفر کی ترویج اور ناکامی و نامرادی سے ہمکنار کرتے ہیں۔ اس لئے علامہ اقبال نے غلامی اور تقلید ہر دو کو انسانیت، اس کے ارتقا اور فلاح و سلامتی کے لئے سم قاتل قرار دیا ہے۔ غلامی اور تقلید کی مذمت کے بارے میں ہم یہاں چند اشعار درج کرنا ضروری خیال کرتے ہیں تاکہ ان دو کے بارے میں اقبال کا خیال واضح ہوسکے۔

در غلامی تن ز جاں گردد تہی
از تن بے جاں چہ امید بہی
ذوق ایجاد و نمود از دل رود
آدمی از خویشتن غافل رود

کیش او (غلام) تقلید وکارش آذری است
ندرت اندر مذهب او کافری است

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تازگیہا وہم و شک افزائدش
کہنہ و فرسودہ خوش مے آیدش

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑدے

چہ خوش بودے اگر مرد نکو پے
ز بند پاستاں آزاد رفتے
اگر تقلید بودے شیوۂ خوب
پیمبر ہم رہ اجداد رفتے
تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش
براہ دیگراں رفتن عذاب است
گر از دست تو کار نادر آید
گناہے ہم اگر باشد ثواب است

نہایت قلق اور اضطراب کی بات ہے کہ علامہ اقبال نے اجتہاد کے عنوان سے 'ضرب کلیم' میں جن اشعار میں بر صغیر کے مسلمانوں کے حکمت دین سے عاری ہونے کا درد بھرے انداز میں اظہار کیا تھا آج آزاد مسلم ریاست کے حصول کے ربع صدی بعد بھی اس پر اسی طرح سے وہ الفاظ صادق آتے ہیں :

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذت کردار نہ افکار عمیق
حلقۂ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں
آہ ! محکومی و تقلید و زوال تحقیق !

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق!
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

یہ امر مکمل طور پر واضح ہونا چاہئے کہ اقبال کے ہاں لفظ تقلید کو جہاں اجتہاد سے اولیت دی گئی ہے اور 'ملت از تقلید می گیرد ثبات، کہا گیا ہے وہاں علامہ نے خود اس امر کی صراحت کردی ہے کہ 'تقلید سے مراد اساسی تمدنی قدروں کا اتباع ہے جس پر کسی تمدن کی انفرادیت کا مدار ہوتا ہے،۔ یعنی تقلید سے مراد دوامی اصولوں کی اتباع و پیروی ہے جو ملت اسلامیہ کی جڑیں ہیں ۔ اس لئے فرمایا!

راہ آباء رو کہ ایں جمعیت است
معنئی تقلید ضبط ملت است

لہذا اقبال نے مثالی مسلم معاشرہ کے وجود و ارتقاء کے لئے اجتہاد کو نہ صرف لازمی اور لابدی قرار دیا ہے بلکہ ہئیت اجتماعیہ انسانیہ کی بنیاد کے لئے نظام اسلام کو بھی اس لئے ناگزیر قرار دیا ہے کہ اسلام کے قوائد کلیہ اور دوامی عقائد کی بنیادوں کے ساتھ ساتھ اصول حرکت (اجتہاد) بھی صرف اسی ہی میں موجود ہے جس سے دیگر تمام مذاهب عاری ہیں ۔

اقبال نے اپنے سیاسی افکار میں جس آزاد اسلامی ریاست کا فکر و تصور پیش کیا اس کی توسیع و ارتقاء کے لئے اور اس کی قانون سازی کو مثالی معاشرہ کی قانون سازی گردانتے ہوئے چند تجاویز پیش کی تھیں ۔

پہلے ذکر آچکا ہے کہ اقبال اجماع کے لئے ایک مستقل با اختیار ادارے کی تشکیل ضروری قرار دیتے ہیں جو قانون سازی میں اپنی اجتہادی صلاحیتیں بروئے کار لا سکے، اگرچہ ہمیں اقبال کے اس خیال سے بنیادی طور پر اختلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے تاہم چونکہ یہاں ہم صرف اقبال کی ترجمانی کررہے ہیں اس لئے یہاں صرف اس کی فکر کو ہی پیش کیا جائے گا۔

اقبال کے نزدیک موجودہ دور میں سوشل ڈیما کریسی Social Democracy ہی واحد طرز حکومت ہے جو اسلامی طرز حکومت کی روح کے کسی حد تک قریب ہے.۳۰ - اس لئے وہ آزاد اسلامی ریاست میں مجلس قانون ساز کو قیاس و اجماع کے اظہار و نفوذ کا واحد ادارہ بناتے ہیں ۔ لیکن اس ادارہ کو بھی وہ دو بنیادی باتوں سے مشروط کرتے ہیں :

اول یہ کہ فی الحال ابتدائی مراحل میں جبکہ آزاد اسلامی ریاست کے معاشرہ کی نشاۃ ثانیہ زیر عمل ہے، مجلس قانون ساز میں با صلاحیت مخلص علمائے باعمل کو نمائندگی دی جائے ۔ یہ علماء کا وہ طبقہ ہو جو اسلامی معاملات کا مطالعہ ناقدانہ انداز میں کرتا ہو نہ کہ غلامانہ اور مقلدانہ انداز میں ۔ جو ہر قانونی امر میں آزادانہ بحث و تمحیص اور آزادی رائے کی اجازت دیتے ہوئے مجلس قانون ساز کی مخلصانہ طریق سے رہنمائی کرے ۔ ساتھ ہی مجلس قانون ساز کے ممبران بھی ایسے اشخاص ہوں جو مغربی نظام حیات اور موجودہ احوال و ظروف کو تنقیدی نگاہ سے پرکھتے ہوں جن کا ضمیر حیات نئے یقین سے سرشار ہو۔ بیشۂ تحقیق کے شیر مرد ہوں نہ کہ صوفی اور ملا کے غلام ! ان کی نگاہوں میں آفاقی انداز اور دلوں میں آفاق گیری کے ولولے موجزن ہوں وہ ندرت فکر و عمل سے بہرہور ہوں ۔ عشق و زیرکی کے حسین امتزاج سے معمور ہوں ۔ علامہ اقبال کے خیال میں مشرق کی تباہی کا سبب جہاں تقلید شرق ہے وہاں تقلید مغرب بھی ہے :

شرق را از خود برد تقلید غرب
باید ایں اقوام را تنقید غرب

---

(۳۰) اقبال نامہ حصہ دوم ص ۱۷ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ
لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

مندرجہ بالا شرط ابتدائی اور عارضی حالات تک کے لئے تھے۔ لیکن اس ے لئے بنیادی اور حقیقی شرط یہ ہے کہ مثالی مسلم معاشرہ کے قیام کے لئے سلمانوں کی نشأۃ اور معاشرتی تجدید و اصلاح ضروری ہے۔ یعنی ان میں قرآن و حدیث ر فقہ کی تعلیم اس انداز سے رائج کی جائے کہ مسلم معاشرہ کا ہر فرد حکمت ین کے فہم و ادراک سے معمور ہوجائے۔ اس کی تعلیم و تربیت کا اس انداز ے اہتمام کیا جائے کہ وہ اسلام کے بنیادی اور دوامی اصولوں پر مخلصانہ سخ یقین رکھتا ہو۔ اور اصول حرکت کی کرشمہ سازیوں سے آشنا ہو۔ دین مذہب کی روح سمجھ کر فلاح انسانیت کے لئے قدیم و جدید ہر قسم کے لوم و آداب کو مہارت سے استعمال کرسکتا ہو۔

چنانچہ اقبال نے اس قسم کی تعلیم و تربیت اور نور حق پھیلانے کے لئے جس ملی اقدام کی کوشش کی تھی وہ یہ تھی کہ ایک مثالی اسلامی ادارہ قائم کیا جائے ہاں ایسے افراد تیار کئے جائیں جو موجودہ دور میں امت وسطیٰ کی ذمہ داریوں ے بخوبی عہدہ برآ ہو سکیں اور مثالی اسلامی معاشرہ (ہئیت اجتماعیہ انسانیہ) کے قیام سے صداقت و حقانیت اسلام کی زندہ مثال مہیا کردیں۔ س ادارہ کی تشکیل کے بارے میں مکاتیب اقبال میں اقبال کی رائے اور تجاویز خوبی واضح ہیں۔ کیا عالم اسلام میں ایسا کوئی ادارہ وجود پذیر ہوسکے : جو کائنات انسانی میں نظام اسلام کو رائج کرنے کے لئے صحیح افراد مہیا کرسکے۔؟

© rasailojaraid.com